طبقۂ مترفین اور اسلام کا نظامِ عدل

مولانا گوہر رحمٰن

(۲)

معیشتِ صالحہ کے قیام اور معیشتِ فاسدہ کے انسداد کے اصول

دنیا میں آج جو معاشی اور اقتصادی نظام مروج ہیں وہ سب کے سب فاسد معیشت کے اصول پر مبنی ہیں اور دنیا کے تعلیمی اداروں میں "علم الاقتصاد" کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ اسی فاسد معیشت کو سمجھنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ مروج اور نافذ ہے اسے سمجھنے کے لیے، مگر جو ہونا چاہیے اور جو صحیح ہے، اس سے ان تعلیمی اداروں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس فاسد علم الاقتصاد سے اخلاقی احکام کو بھی بالکل نکال دیا گیا ہے۔ معیشت صالحہ کے اصول و احکام اسلامی نظام معیشت کے علاوہ اور کسی نظام میں نہیں مل سکتے۔ اسلامی معیشت ہی وہ معیاری معیشت ہے جس کے ذریعے عدلِ اجتماعی اور معاشی انصاف قائم ہو سکتا ہے اور مترفین کی فاسد اور استحصالی معیشت کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اسلامی معیشت میں حسب ذیل بنیادی اصول کارفرما ہیں۔

۱۔ کفالتِ عامہ: معاشرے کے ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی کفالت

۲۔ استحصال کا خاتمہ: ہر قسم کے معاشی ظلم و استبداد اور استحصال کا سدباب

۳۔ ارتکازِ دولت کا سدباب: ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو وسائل کو محدود لوگوں کے پاس سمٹ آنے سے روکتے ہیں۔ ان تینوں جامع اصولوں کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ دنیوی وسائل اور معاشی ترقی "مقصدِ حیات" نہیں ہے بلکہ "ذریعۂ حیات" ہے۔

(۱) معاشی وسائل مقصدِ حیات نہیں، بلکہ ذریعۂ حیات

زندگی برائے زندگی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلام نے زندگی کا ایک مقصد متعین کر دیا ہے اور وہ ہے رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کے حصول کے لیے اللہ کی بندگی کرنا۔ لیکن چونکہ بندگی

زندگی کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کو بحال رکھنے ہی کے لیے نہیں بلکہ اس میں آسائش و راحت اور زینت و رفاہیت پیدا کرنے کے لیے بھی وسائل پیدا کیے ہیں' اور ان وسائل کو استعمال کرنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اس کا حکم بھی دیا ہے۔ راھبانہ اور جوگیانہ طرزِ زندگی کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب (البقرۃ ۲:۲۹)

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا اس بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا اور پھر ہم نے اس سے باغ اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت اگائے جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں۔ (یہ سب کچھ) اپنے بندوں کو روزی دینے کے لیے پیدا کیا ہے اور ہم نے اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح ہو گا نکلنا (اس زمین سے حشر میں) (ق ۵۰ : ۷ تا ۱۱)

کہہ دو کہ کس نے حرام کی ہے تم پر اللہ کی پیدا کردہ زینت ' جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور حلال و پاکیزہ رزق کو ؟ (الاعراف ۷ : ۳۲)

اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور آبادی کرائی تم سے اس زمین میں (ھود ۱۰ : ۶۱)

امام جصاصؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کا آباد کرنا واجب ہے' خواہ زراعت کی شکل میں ہو یا باغات و تعمیرات کی شکل میں ہو (احکام القرآن ج ۲ ' ص ۱۶۵)

غنا اور مال داری بجائے خود کوئی بری چیز بھی نہیں ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا :

اِنَّ اللّٰہ یحبُّ العَبْدا لتقی الغنِیّ (صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو متقی بھی ہو اور غنی بھی ہو۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ

نِعمّاً بِالمَال الصَالح لِلرجل الصَالح (مسند احمد ' شرح السنۃ للبغوی)

نیک آدمی کے لیے حلال مال اللہ کی نعمت ہے۔

ان آیات و احادیث اور اس موضوع کی دوسری متعدد آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے وسائل اور ساز و سامان سے استفادہ کرنا اور دنیا کو آباد رکھنا اسلام کا حکم ہے۔ یہ کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن یہ سب کچھ ذریعۂ حیات ہے ' مقصدِ حیات نہیں ہے ' اور ذریعے کو مقصد

بنانا عقل و خرد کا تقاضا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں دنیوی وسائل کو "متاعِ دنیا" کہا گیا ہے' اور امام راغب ؒ نے لکھا ہے کہ متاع اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کچھ مدت کے لیے کچھ نہ کچھ نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران (آیات ۱۴ تا ۱۷) میں دنیا کی خوشنما اور دل پسند چیزوں' مثلاً عورتوں اور بیٹوں' گھوڑوں اور مویشیوں' سونے اور چاندی اور کھیتی کے غلوں اور پھلوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے' **ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَاۚ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ** ' یہ سب زندگی کے وسائل ہیں اور اللہ ہی کے پاس ہے خوبصورت ٹھکانا' اور اس کے بعد اس خوبصورت ٹھکانا یعنی جنت کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح اس نے آخرت کے مقابلے میں متاع دنیا کی بے حقیقتی بھی واضح کر دی ہے۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ (التوبہ ۹: ۳۸)

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا متاع قلیل ہے

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد ۱۳: ۲۶)

اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے ایک عارضی متاع ہے

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ (العنکبوت ۲۹: ۶۴)

آخری گھر کی زندگی ہی اصل زندگی ہے

قرآنِ کریم کی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ معاشی وسائل کو مقصدِ حیات یعنی اللہ کی عبادت کا ذریعہ بنایا جائے' اللہ سے بغاوت کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

(۲) کسبِ حلال

اسلامی نظامِ معیشت کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسبِ مال اور زندگی کے وسائل کی طلب میں انسان کو غیر مشروط اور غیر محدود آزادی حاصل نہیں ہے۔ نظامِ معیشت کو فاسد ہونے سے بچانے کے لیے اور انسان کی دینی و اخلاقی رفعت کے تحفظ کے لیے قرآن کریم نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ جو کچھ بھی حاصل کرنا ہو حلال طریقوں سے حاصل کیا جائے' اور حرام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس میں رضامندی سے اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' بے

شک اللہ تم پر بے حد مہربان ہے اور جو بھی یہ کام کرے زیادتی اور ظلم سے' تو عنقریب داخل کر دیں گے ہم اس کو آگ میں اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے (النساء ۴ : ۲۹ - ۳۰)

باطل سے مراد کسبِ مال کے وہ تمام طریقے جو غیر شرعی ہوں۔ تجارت کے مفہوم میں اشیاء اور خدمات دونوں کا تبادلہ بالعوض شامل ہے۔ رضا مندی سے مراد جبری رضا مندی نہیں بلکہ قلبی رضا مندی مراد ہے' جس میں کسی نوعیت کا دباؤ' فریب اور چال بازی نہ ہو۔ "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل نہ کرو' لیکن ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حرام طریقوں سے مال کما کر اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کر کے اپنے اخلاق کو تباہ نہ کرو' اور اپنی آخرت خراب نہ کرو۔

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے ان میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو (البقرۃ ۲ : ۱۶۸)

پس اللہ نے جو تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ (المائدۃ ۵ : ۸۸)

"اے رسولو! تم کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے اور نیک عمل کرو' میں تمہارے عمل کو جاننے والا ہوں (المومنون ۲۳ : ۵۱)

کسبِ حرام اور اکلِ باطل کے چند طریقے حسب ذیل ہیں:

۱ - ظالم یا کافر حکمران کے ساتھ تعاون کرنے کے بدلے میں دولت کمانا اور جاگیریں بنانا۔

۲ - ربوٰ یعنی قرض پر نفع حاصل کرنا جسے مشروط کر دیا گیا ہو۔

۳ - مخاطرہ' یعنی جوے کی تمام شکلیں۔

۴ - رشوت کی تمام شکلیں بمعہ ان تحفوں کے جو عمال کو سرکاری ڈیوٹی کے دوران دیے گئے ہوں۔

۵ - چوری' ڈکیتی' غصب اور شرعی وارثوں کا حق نہ دینا۔

۶ - غش' یعنی دھوکہ دینا اور خراب چیز کو اعلیٰ چیز کی قیمت پر فروخت کرنا۔

۷ - محرمات اور فواحش و منکرات کا کاروبار کرنا۔

۸ - غبنِ فاحش' یعنی مروجہ اور متعارف قیمتوں سے زیادہ قیمتیں وصول کرنا۔

۹ - تلقیِ جلب' یعنی تجارتی مال تاجروں سے راستے ہی میں سستے داموں خرید کر مارکیٹ میں مہنگے داموں فروخت کرنا۔

۱۰ - احتکار ' یعنی ذخیرہ اندوزی کے ذریعے مصنوعی قلت پیدا کر کے اشیاء ضرورت کی من مانی قیمتیں وصول کرنا۔

۱۱ - استحصال ' یعنی کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کی محنت و خدمت کو یا اس کی کسی چیز کو مروجہ قیمت سے کم پر حاصل کرنا۔

۱۲ - اجارہ داری ' یعنی صنعتوں ' تجارتی اداروں اور دوسرے معاشی وسائل پر مخصوص افراد کا کنٹرول -

یہ تو صرف چند مثالیں ہیں ورنہ حدیث و فقہ کی کتابوں میں بیوعِ فاسدہ کی اور بھی کئی مثالیں دی گئی ہیں اور سب کا انسداد ضروری ہے۔ غیر شرعی کاروبار کے سد باب کے لیے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ؐ نے سعید بن سعید بن عاصؓ کو مکہ کے بازار کا نگران (محتسب) مقرر فرمایا تھا اور مدینہ کے بازاروں کی نگرانی ایک وقت میں حضرت عمرؓ کے سپرد کی تھی۔

(۳) ناجائز دولت اور غیر شرعی جاگیروں کی ضبطی

اسلامی معیشت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ حرام دولت اور غیر شرعی جائیدادوں اور جاگیروں یا کارخانوں کو ضبط کر لیا جائے - اس کی اصولی دلیل تو یہ ہے کہ کسبِ حرام ایک منکر ہے جس کا مٹانا حکومت کا فرضِ منصبی ہے اور مٹانے کا طریقہ یہی ہے کہ اوّل تو کسبِ حرام کے تمام راستے بند کر دیے جائیں' لیکن اگر ' تمام انسدادی تدابیر کے ہوتے ہوئے بھی کسی نے چور دروازوں کے ذریعے حرام دولت جمع کر لی ہو ' یا ان تدابیر کے نفاذ سے پہلے (مگر نزولِ حرمت کے بعد) کسی نے ناجائز دولت اکٹھی کر لی ہو' تو اسے ضبط کر لیا جائے تاکہ کوئی دوسرا کسبِ حرام کی جرات نہ کر سکے - فقہا نے لکھا ہے کہ اگر قاضی یا کسی دوسرے افسر نے لوگوں سے تحفے وصول کیے ہوں تو یہ سارے تحفے بحق بیت المال ضبط کر لیے جائیں گے۔ بعض فقہا کے نزدیک دینے والوں کو واپس دلائے جائیں گے' اور اگر واپس دلانا مشکل ہو تو پھر بیت المال میں جمع کر دیے جائیں گے (فتح القدیر' ادب القاضی)

تحفے کھلی رشوت نہیں ہیں بلکہ صرف شبہ ہے کہ رشوت میں دیے گئے ہوں گے۔ جب یہ مشتبہ مال ضبط کیا جا سکتا ہے تو کھلی اور حقیقی رشوت میں حاصل کردہ دولت اور جاگیر کیوں ضبط نہیں کی جا سکتی - فقہاؒ کے اس فتوے کی دلیل درج ذیل حدیث ہے '

ابو حمید ساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے بنو اسد (ازد) کے ایک شخص کو'

جس کا نام "ابن اللتبیہ" تھا' صدقات وصول کرنے کے لیے عامل مقرر فرمایا تھا اس نے آکر کہا کہ یہ مال تو آپ کا ہے (بیت المال کا)' اور یہ مجھے تحفے میں دیا گیا ہے۔ اس پر رسول اللہؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا'کیا ہو گیا ہے اس کارندے کو جسے ہم اپنے کام پر (سرکاری کام پر) بھیجتے ہیں' اور وہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ میرا ہے۔ یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھا رہتا تاکہ دیکھتا کہ اسے تحفہ ملتا ہے یا نہیں ملتا؟

بلاذریؒ نے لکھا ہے' عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ تقرری کے وقت اپنے عمال کے اموال کی مقدار لکھ لیا کرتے تھے۔ پھر اگر ان کی جائیداد اور مال اس مال سے اور تنخواہ میں لیے گئے مال کی مجموعی مقدار سے زیادہ ہو جاتا تو اس زائد مال کا آدھا حصہ ضبط کر لیا کرتے تھے۔ بلاذریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ جب مصر کے حاکم تھے تو ان کی دولت بھی کچھ بڑھ گئی تھی حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات اور آڈٹ کے لیے بھیجا۔ انھوںؓ نے حساب کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ کی دولت کا آدھا حصہ ضبط کر لیا (فتوح البلدان)

امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ (م ۲۲۴ھ) نے لکھا ہے کہ

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ بعض گورنروں کی دولت میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک شخص عمرو بن الصعق نے یہ صورت حال حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے ان افسروں کے پاس' جن میں حضرت سعدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل تھے' ایک آڈیٹر بھیجا' اس نے ان کی دولت کا نصف حصہ لے لیا۔ (کتاب الاموال)

عدل فاروقی کا ایک اور درخشاں فیصلہ ملاحظہ کیجئے۔ یہ فیصلہ مشہور اور قدیم محدث عبد الرزاق بن ھمام (م ۲۱۱ھ) نے اس طرح نقل کیا ہے'

محمد بن سیرینؒ تابعی سے مروی ہے کہ ابوہریرہؓ جب بحرین سے واپس آئے' تو حضرت عمرؓ نے فرمایا' اے اللہ اور اس کی کتاب کے دشمن! کیا تم نے اللہ کا مال چرا لیا ہے؟ ابوہریرہؓ نے کہا' میں نہ اللہ کا دشمن ہوں اور نہ اس کی کتاب کا بلکہ میں تو اس کا دشمن ہوں جو ان دونوں سے دشمنی کرتا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر یہ دس ہزار کی رقم تمہارے پاس کہاں سے آگئی؟ ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ میرے گھوڑوں کی نسل بڑھتی رہی' میری تنخواہ مجھے ملتی رہی' اور میرے حصے (غنیمت وغیرہ کے) مجھے پہنچتے رہے۔ لیکن باوجود اس جواب کے حضرت عمرؓ نے وہ رقم ان سے لے لی۔ ابوہریرہؓ

فرماتے ہیں کہ میں نے جب صبح کی نماز پڑھی تو امیر المومنین کے لیے دعائے مغفرت کی۔

(مصنف عبد الرزاق 'کتاب الاموال لابی عبید)

حضرت عمرؓ کے ہم نام اور ان کی پوتی کے بیٹے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اقدامات بھی ہمارے لیے نمونہ ہیں ۔ یہ اگرچہ تابعی تھے صحابیؓ نہیں تھے 'مگر ان کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی۔ ان کا خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد پہلا اقدام یہ تھا'

جب عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے اپنے خاندان اور اپنے گھرانے سے اصلاحات کا آغاز کیا اور ان کے قبضے میں جو جائیدادیں تھیں ان کو مظالم قرار دے کر ضبط کر لیا ---- (حلیتہ الاولیاء از ابو نعیم اصفہانی' تاریخ الاسلام از ذہبی)

حضرت عمر بن خطابؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ کی ان تابندہ اور درخشندہ مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشی مظالم کے خاتمے کے لیے نہ صرف یہ کہ حرام مال ضبط کرنا ضروری ہے ' بلکہ مشتبہ اور مشکوک مال کا کچھ حصہ بھی ضبط کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ابو ہریرہؓ 'عمرو بن عاصؓ ' سعدؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے اموال کا آدھا حصہ جو ضبط کیا تھا یہ صرف شبہ اور عدم اطمینان کی بنا پر ضبط کیا تھا ' ورنہ ان صحابہؓ نے آڈٹ کے وقت جو جوابات دیے تھے وہ بظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں' اور صحابہؓ پر ہم یہ بدگمانی بھی نہیں کر سکتے کہ انھوں نے قومی خزانے میں خرد برد کیا ہو گا۔ ان کے ایمان کامل ہونے کی گواہی تو خود اللہ نے دی ہے لیکن عدلِ فاروقی اور جلالِ عمری نے شبہ کی بنیاد پر ان کے اموال ضبط کر لیے تاکہ امت کے لیے نمونہ رہے ۔

ناجائز طریقوں پر حاصل کردہ اموال جب ضبط کر لیے جائیں تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اصل مالکوں کو پہنچا دیے جائیں گے ' اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر نادار مستحقین میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ انہی دلائل کی بنا پر فقہا نے لکھا ہے کہ مال مغصوبہ اور اس سے حاصل کردہ نفع اگر مالک کو نہ دیا جا سکتا ہو تو غاصب سے لے کر مستحقین کو دے دیا جائے گا (ہدایہ 'کتاب الغصب)

(جاری ہے)